سید منظور الحسن

حدیث وسنت کی حجیت
مدرسۂ فراہی کے موقف کا تقابلی جائزہ

(۵)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

[یہ مضمون راقم کے ایم فل علوم اسلامیہ کے تحقیقی مقالے سے ماخوذ ہے۔ ''حدیث وسنت کی حجیت پر مکتب فراہی کے افکار کا تنقیدی جائزہ'' کے زیر عنوان یہ مقالہ جی سی یونیورسٹی لاہور کے شعبۂ عربی وعلوم اسلامیہ کے تحت ۲۰۱۲ء-۲۰۱۴ء کے تعلیمی سیشن میں مکمل ہوا۔]

چند ایک روایتوں کی صحت سے انکار

مدرسۂ فراہی کے علما کے حدیث وسنت سے استدلال واحتجاج کے باوجود یہ درست ہے کہ وہ صحیح کے درجے کی بعض روایات کو حدیث کے طور پر قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں، بعض کے بارے میں توقف کا حکم لگاتے ہیں اور بعض کی تاویل وتشریح علماے امت کے عمومی موقف سے مختلف انداز میں کرتے ہیں۔ انکار کی ایک مثال بخاری کی وہ روایت ہے جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین جھوٹ بولے تھے۔ توقف کی مثال بخاری ومسلم کی وہ روایتیں ہیں جن میں نقل ہوا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ۶ سال کی عمر میں اور رخصتی ۹ سال کی عمر میں ہوئی تھی۔ تاویل وتشریح میں اختلاف کی مثال بخاری ومسلم اور موطا امام مالک کی وہ روایتیں ہیں جن میں شادی شدہ زانی کو رجم کرنے کی سزا بیان ہوئی ہے۔

مدرسۂ فراہی کے علما کے بعض روایات کو قبول کرنے سے انکار، بعض کے بارے میں توقف اور بعض کی تاویل و تشریح میں اختلاف کا بنیادی سبب یہ ہے کہ وہ سند کی صحت کو خبر واحد کی قبولیت کی واحد اور لازمی دلیل قرار نہیں دیتے۔ اس کے ساتھ وہ دو مزید اصول بھی شامل کرتے ہیں: ایک یہ کہ اس میں کوئی چیز قرآن وسنت کے خلاف نہ ہو اور دوسری یہ کہ علم وعقل کے مسلمات کے خلاف نہ ہو۔

اس میں شبہ نہیں کہ امام ابن حزم اور بعض دیگر اہل علم ان درایتی معیارات کو اہمیت نہیں دیتے اور فقط سند کی صحت ہی کو روایت کی قبولیت کا معیار قرار دیتے ہیں، مگر علما وفقہا کی اکثریت انھیں قبول روایت کے لازمی اصولوں کے طور پر اختیار کرتی ہے۔ فقہا کے بعض گروہ فقط ان دو نکات ہی کا اضافہ نہیں کرتے، بلکہ ان کے ساتھ کچھ مزید شرطیں بھی عائد کرتے ہیں۔ مثلاً احناف روایت کی قبولیت کے لیے قیاس، فقاہتِ راوی، عموم بلویٰ اور مالکیہ عمل اہل مدینہ کی موافقت کے شرائط کو مزید برآں شامل کرتے ہیں۔

ڈاکٹر صبحی الصالح نے امام ابوحنیفہ کے مذکورہ شرائط کا خلاصہ ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

''امام ابوحنیفہؒ خبر واحد کی قبولیت کے لیے مندرجۂ ذیل شرائط عائد کرتے ہیں۔

ا۔ خبر واحد اس صورت میں مقبول ہے جب کہ وہ سنت مشہور (خواہ قولی ہو یا فعلی) کے خلاف نہ ہو۔ اس لیے کہ دو دلیلوں میں سے اس دلیل پر عمل کیا جاتا ہے جو قوی تر ہو۔

۲۔ خبر واحد اس عمل متواتر کے خلاف نہ ہو جو صحابہؓ وتابعین میں مشترک طور سے پایا جاتا ہے۔ خواہ وہ کسی شہر میں بھی سکونت پذیر ہوں۔ اس میں کسی شہر کی کوئی تخصیص نہیں۔

۳۔ خبر واحد اس صورت میں مقبول ہے جب کتاب اللہ کے عمومات وظواہر کے خلاف نہ ہو۔ اس لیے کہ کتاب اللہ کے ظواہر وعمومات قطعی الدلالت ہیں اور قطعی ظنی کے مقابلہ میں مقدم ہوتا ہے۔ جس صورت میں خبر واحد کتاب اللہ کے عموم یا ظاہر کے خلاف نہ ہو۔ بلکہ قرآن کی شرح وتفسیر پر مشتمل ہو تو امام ابوحنیفہؒ اس پر عمل کرتے ہیں۔ اس لیے کہ شرح وتفسیر کے بغیر آیت قرآنی کسی بات پر دلالت ہی نہیں کرسکتی۔

۴۔ جب خبر واحد قیاس جلی کے خلاف ہو تو اس صورت میں مقبول ہوگی۔ جبکہ اس کا راوی فقیہ ہو۔ راوی کے غیر فقیہ ہونے کی صورت میں اس امر کا احتمال ہے کہ راوی نے روایت بالمعنی کی ہو۔ اور اس میں اس سے غلطی سرزد ہوگئی ہو۔

۵۔ یہ کہ خبر واحد کا تعلق ایسے امور سے نہ ہو جو عام لوگوں کو پیش آتے ہیں۔ مثلاً حدود وکفارات جو ادنیٰ شبہ پیدا ہو جانے کی صورت میں باقی نہیں رہتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عادتاً ایسے امور سے اکثر لوگ باخبر ہوتے ہیں نہ کہ

صرف ایک دوشخص۔ اس لیے ایسے واقعات میں شہرت اور تلقی بالقبول ضروری ہے۔

۶۔ عہد سلف میں کسی عالم نے اس حدیث پر جرح وقدح نہ کی ہو۔ نیز یہ کہ حدیث کے راوی نے کسی دوسرے صحابی کے اختلاف کی وجہ سے اس پر عمل کو ترک نہ کیا ہو۔

۷۔ قبولیت خبر واحد کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ راوی کا عمل اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف نہ ہو۔ مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ حدیث روایت کی کہ جب کتا کسی برتن میں منہ ڈالے تو اسے سات مرتبہ دھویا جائے مگر وہ اس کے خلاف فتویٰ دیتے تھے اس لیے امام ابوحنیفہ نے ان کی روایت کردہ حدیث پر عمل کرنا ترک کر دیا۔

۸۔ خبر واحد اس صورت میں مقبول ہے۔ جب اس کا راوی دیگر ثقہ راویوں کے خلاف اس حدیث کی سند یا متن میں کوئی اضافہ نہ کر رہا ہو۔ اگر وہ اضافہ کرے گا، تو بنابر احتیاط ثقات کی روایت پر عمل کیا جائے گا۔ اس کی زیارت کو قبول نہیں کیا جائے گا۔‘‘[۱۲۴]

حدیث کے رد وقبول اور ان سے احتجاج واستدلال کے اصولوں میں اختلاف ہی وہ فرق ہے جو امام ابوحنیفہ، امام مالک اور ان کے متبعین پر بعض اہل علم کے اس الزام کا باعث بنا ہے کہ وہ اپنے قیاس اور اپنی رائے کو (معاذ اللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر ترجیح دیتے ہیں۔ ابن قیم کی ’’اعلام الموقعین عن رب العالمین‘‘ کا بنیادی موضوع ہی یہ ہے۔ اس میں انھوں نے احناف کی طرف سے رد کی جانے والی ۸۲ حدیثوں کو نقل کر کے احناف کے موقف کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ اس حوالے سے انھوں نے لکھا ہے:

’’یہ تو بطور نمونہ کے بیاسی حدیثیں ہم نے بیان کی ہیں انھوں (احناف) نے تو ان گنت اور بے شمار حدیثوں کو جواب دے دیا ہے اور رائے کے رگڑے میں بری طرح پس گئے اس جال میں ایسے پھنسے کہ پھر نہ چھٹے۔ پس اگر قیاس حق ہوتا تو قیاس والے ساری امت سے زیادہ احادیث کے عامل ہوتے تو ناممکن تھا کہ ان سے ایک حدیث بھی چھوٹے۔ ہاں منسوخ حدیثوں کا حکم اور ہے۔ لیکن ہم تو کیا دنیا دیکھ رہی ہے کہ اہل رائے سے زیادہ سخت مخالف صحیح حدیثوں کا اور کوئی نہیں۔ یہ بھی دلیل اس بات کی ہے کہ رائے اور قیاس منجانب اللہ نہیں اگر یہ اللہ کی طرف سے ہوتا تو قرآن حدیث کے مطابق ہوتا نہ کہ مخالف۔ رائے اور قیاس والے قرآن حدیث کے سچے تابعدار ہوتے نہ کہ سخت تر مخالف۔ آپ دیکھ لیجیے کہ اہل حدیث کس طرح قرآن وحدیث کے متبع ہیں۔ آپ ساری دنیا میں سے ایک صحیح حدیث ایسی نہیں دکھا سکتے جس کی مخالفت اہل حدیث نے کی ہو۔ ہاں ہم نے آپ کو وہ حدیثیں دکھا دیں جن کی مخالفت اہل رائے نے کی ہے اور یہ تو بطور نمونہ کے ہے ورنہ ایک دفتر بھی ان تمام حدیثوں کا احاطہ نہیں کر سکتا جو

[۱۲۴] صبحی صالح، ڈاکٹر، حدیث ومحدثین، مترجم حریری، غلام احمد، ص ۳۵۵۔

رائے قیاس کے شیدائیوں نے توڑ مروڑ کر رکھ دی ہیں۔“[۱۲۵]

معروف اہل حدیث عالم مولانا محمد ابوالحسن سیالکوٹی نے اپنی تصنیف ”الظفر المبین فی ردمغالطات المقلدین“ میں ہدایہ، درالمختار، فتاویٰ عالمگیری اور دیگر کتب احناف کی بنیاد پر امام ابوحنیفہ کے حوالے سے ایک سو ایسے مسائل نقل کیے ہیں جو ان کے نزدیک امام صاحب کی صحیح احادیث کی مخالفت پر دلالت کرتے ہیں۔ ان مسائل کو نقل کرنے سے پہلے تمہیداً انھوں نے بیان کیا ہے:

> ”ائمہ کے مقلدین حدیث پر چلنے والوں کو ایک مغالطہ یہ دیتے ہیں کہ قرآن اور حدیث کا ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے جو مجتہدوں کو نہ ملا ہو یا انھوں نے کسی مسئلے پر قرآن اور حدیث کے خلاف عمل کیا ہو اور لوگوں کو اس پر فتویٰ دیا ہو۔ جواب اس کا یہ ہے کہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ اگر کوئی شخص غور و فکر کرے تو اکثر دیکھے گا کہ ایک طرف تو حدیث صحیح ہے اور دوسری طرف اس حدیث کے خلاف امام کی رائے ہے اور فتویٰ امام کی رائے پر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس دعویٰ کی تصدیق کے لیے بطور نمونہ ہم ایک سو ایسے مسائل نقل کرتے ہیں جن میں امام ابوحنیفہ کا مسلک احادیث صحیحہ نبویہ کے خلاف جاتا ہے۔“[۱۲۶]

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اس تمہید کے بعد انھوں نے عقائد، عبادات اور معاملات کے حوالے سے ایک سو مسائل پر امام ابوحنیفہ کی آرا بیان کر کے ان کے مقابل میں احادیث کو پیش کیا ہے۔ تفہیم مدعا کے لیے ان میں سے چند مثالیں مفید ہوں گی:

> ”فقہ اکبر اور شرح عقائد نسفی میں لکھا ہے: ”ایمان سے مراد اقرار اور تصدیق ہے اور اہل آسمان و زمین کا ایمان نہ زیادہ ہوتا ہے نہ کم ہوتا ہے۔“ امام ابوحنیفہؒ نے اس مسئلے میں کلام اللہ کی صریح آیات اور کئی احادیث کے خلاف مسلک اختیار کیا ہے کہ ایمان بڑھتا بھی ہے اور کم بھی ہوتا ہے۔“[۱۲۷]

> ”فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے: ”اور جب شراب سرکہ بن جائے تو حلال ہے خواہ خود بخود سرکہ بن جائے خواہ اس میں کوئی چیز ڈالنے سے چیز سرکہ بن جائے۔“ اور یہ مذہب امام ابوحنیفہؒ اور ان کے شاگرد امام ابویوسف اور محمد کا ہے۔ جبکہ ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں نے اس مسئلے میں مسلم شریف اور ترمذی میں انسؓ سے مروی حدیث سے اختلاف کیا ہے: نبی اکرم صلی علیہ علیم وسلم سے اس شراب کے بارے میں سوال کیا گیا جس کا سرکہ بنا لیا گیا ہو (آیا وہ سرکہ حلال ہے یا نہیں) تو آپ نے فرمایا حلال۔“[۱۲۸]

---

[۱۲۵] ابن قیم، شمس الدین ابوعبداللہ، الجوزیۃ، اعلام الموقعین عن رب العالمین، لاہور: مکتبہ قدوسیہ، ۲۰۰۷، ج ۲، ص ۱۱۵۔

[۱۲۶] سیالکوٹی، محمد ابوالحسن، مولانا، الظفر المبین فی ردمغالطات المقلدین، لاہور: مکتبہ محمدیہ، ص ۷۸۔

[۱۲۷] سیالکوٹی، محمد ابوالحسن، مولانا، الظفر المبین فی ردمغالطات المقلدین، لاہور: مکتبہ محمدیہ، ص ۷۹۔

''ہدایہ میں لکھا ہے: ''امام اور مقتدی اور اکیلا آہستہ آمین کہیں۔'' یہ مذہب ابوحنیفہ اور امام مالک اور اہل کوفہ کا ہے۔ پس ابوحنیفہ اور امام مالک اور اہل کوفہ نے اس مسئلے میں خلاف کیا ہے ان اکیس احادیث کا۔ صحیح ابوداؤد، کتاب الصلاۃ باب الآمین وراء الامام، حسن صحیح میں روایت ہے وائل بن حجرؓ سے کہ اس نے نماز پڑھی رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے پیچھے پس پکار کر کہی آمین....''[۱۲۹]

'''' اور امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے اور مقتدی ربنا لک الحمد کہے اور ابو حنیفہ کے نزدیک امام ربنا لک الحمد نہ کہے۔'' جبکہ امام ابوحنیفہ نے اس مسئلے میں حسب ذیل تین احادیث کی خلاف ورزی کی ہے۔ پہلی حدیث بخاری اور مسلم میں عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو شانوں تک ہاتھ اٹھاتے جب رکوع کے لیے تکبیر کہتے تو ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو پھر اسی طرح رفع الیدین کرتے اور سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد کہتے اور سجدوں کے درمیان رفع الیدین نہ کرتے تھے۔''[۱۳۰]

'''' جمعہ دیہات میں جائز نہیں۔'' یہ مذہب امام ابوحنیفہ کا ہے، مگر امام ابوحنیفہ نے اس مسئلے میں (صحیح بخاری کتاب الجمعۃ) کی اس حدیث کے خلاف عمل کیا ہے: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انھوں نے کہا کہ اولین جمعہ جو اسلام میں مسجد نبوی کے بعد پڑھا گیا جواثی نامی گاؤں میں پڑھا گیا جو بحرین کے دیہات میں سے ایک گاؤں تھا۔''[۱۳۱]

'''' کسی میت کی نماز جنازہ مسجد میں ادا نہ کی جائے۔'' یہ امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگردان امام محمد و ابو یوسف کا مذہب ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگرد امام محمد و ابو یوسف نے اس مسئلے میں مندرجہ ذیل ان تین احادیث کے خلاف عمل کیا ہے: (صحیح مسلم کتاب الجنائز باب الصلاۃ علی الجنازۃ فی المسجد میں ہے) ابو بن عبدالرحمنؓ سے مروی ہے کہ جب سعد بن ابی وقاصؓ نے وفات پائی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ان کے جنازہ کو مسجد میں داخل کرو تا کہ میں ان کی نماز جنازہ پڑھوں۔ لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس بات کو صحیح نہ سمجھتے ہوئے تعجب کیا تو جناب صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیضاء کے دونوں بیٹوں، سہیل اور اس کے بھائی کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی....''[۱۳۲]

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۱۲۸؎ ایضاً، ص ۸۸۔

۱۲۹؎ ایضاً، ص ۹۴۔

۱۳۰؎ ایضاً، ص ۱۱۸۔

۱۳۱؎ سیالکوٹی، محمد ابوالحسن، مولانا، الظفر المبین فی رد مغالطات المقلدین، لاہور: مکتبہ محمدیہ، ص ۱۵۱۔

۱۳۲؎ ایضاً، ص ۱۵۹۔

''فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے: ''امام ابوحنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک ظاہر روایت کے مطابق آزاد عاقلہ، بالغہ کا نکاح اس کی مرضی کے ساتھ اگر چہ اس کا نکاح اس کے ولی نے نہ کیا ہو اور عورت بھی خواہ باکرہ ہو خواہ ثیبہ ہو منعقد ہو جاتا ہے۔'' پس امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگرد ابی یوسف نے اس مسئلے میں (احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی کی) ان پانچ احادیث کے خلاف عمل کیا ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس عورت نے بھی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو اس کا نکاح باطل ہے... روایت ہے ابی موسیٰؓ سے، انھوں نے نقل کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے، آپ نے فرمایا کہ نکاح ولی کے بغیر منعقد نہیں۔''[۱۳۳]

'''' گھوڑے کا گوشت امام ابوحنیفہ کے نزدیک مکروہ ہے۔ اور وہی قول ہے مالک کا۔'' مگر امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے اس مسئلے میں (بخاری و مسلم کی) ان دو احادیث کا خلاف کیا ہے: جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خیبر کے موقع پر گھریلو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا البتہ گھوڑوں کا گوشت کھانے کی اجازت دے دی۔۔۔ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم نے ایک گھوڑا ذبح کیا اور اسے کھایا۔''[۱۳۴]

''ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ نماز میں دونوں ہاتھوں کو ناف کے نیچے باندھے، ناف سے اوپر نہ باندھے۔ امام ابوحنیفہ کا یہ مذہب اس حدیث کے خلاف ہے جو صحیح ابن خزیمہ میں وائل بن حجرؓ سے روایت ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی اور اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر سینے کے اوپر رکھا۔''[۱۳۵]

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

ان اقتباسات سے واضح ہے کہ بعض اہل علم حدیث کے رد و قبول کے اصولوں میں اختلاف کی بنیاد پر حدیث کے انکار اور مخالفت کا الزام عائد کرتے ہیں۔ اسی تناظر میں امام ابن تیمیہ نے اپنی تالیف ''رفع الملام عن الائمۃ الاعلام'' میں اس بات کو واضح کیا ہے کہ ہمارے ائمہ میں سے اگر کوئی کسی حدیث کو قبول نہیں کرتا تو اس کے نزدیک اس کے کچھ دلائل ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس کے بارے میں یہ کہنا درست نہیں ہے کہ اُس نے کسی حلال کو حرام یا حرام کو حلال کر دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

۱۳۳؎ ایضاً، ص ۱۸۵، ۱۸۶۔

۱۳۴؎ ایضاً، ص ۲۱۹۔

۱۳۵؎ سیالکوٹی، محمد ابوالحسن، مولانا، الظفر المبین فی رد مغالطات المقلدین، لاہور: مکتبہ محمدیہ، ص ۳۳۳۔

''جب کسی امام کا قول حدیث صحیح کے خلاف ہو،تو اس حدیث کے ترک کرنے کی وجہ تو ان کے ہاں ضرور ہوگی۔ کسی حدیث کو صرف تین وجوہ میں سے کسی ایک کی بنا پر ترک کیا گیا ہوگا۔

۱۔امام یہ سمجھتا ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث سرے سے ارشاد ہی نہیں فرمائی۔

۲۔امام کے نزدیک اس کا مفہوم وہ نہ ہوگا، جو قائل نے سمجھا۔

۳۔امام کے نزدیک وہ حدیث منسوخ ہوگی۔

ایک امام بعض اوقات کسی حدیث کو اس لیے بھی ترک کرتا ہے وہ حدیث کے راوی میں جو حافظ ثقہ ہوتا ہے بعض ایسی شرائط کا اضافہ کرتا ہے، جن کو دیگر محدثین تسلیم نہیں کرتے۔ مثلاً:

۱۔بعض محدثین نے کسی حدیث کو قبول کرنے کے لیے یہ شرط عائد کی ہے کہ پہلے اسے کتاب وسنت کی کسوٹی پر کس کر دیکھ لیا جائے کہ کیا وہ ان کے خلاف تو نہیں۔

۲۔بعض محدثین نے راوی کے فقیہ ہونے کی شرط لگائی ہے، خصوصاً جبکہ وہ حدیث خلاف قیاس ہو۔

۳۔بعض علماء نے یہ شرط لگائی ہے کہ حدیث کو اس صورت میں قبول کیا جائے، جبکہ وہ لوگوں میں عام طور پر مشہور ہو چکی ہو، خصوصاً جبکہ حدیث کا تعلق ایسے معاملہ سے ہو جس کے ساتھ عوام کو اکثر سابقہ پڑتا ہے۔ اور اسی قسم کے دیگر شرائط....

...اگر کسی حدیث کو مذکورہ صدر اسباب میں سے کسی سبب کی بنا پر ترک کیا گیا ہو اور اس حدیث صحیح میں کسی چیز کی تحلیل وتحریم کا ذکر کیا گیا ہو یا کسی بات کا حکم دیا گیا ہو تو حدیث کو ترک کرنے والے عالم کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے حرام کو حلال قرار دیا یا اس کے برعکس ایک حلال چیز کی تحریم کا مرتکب ہوا یا یہ کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم کی خلاف ورزی کی۔''[۱۳۶]

یہاں یہ واضح رہے کہ حدیث کے رد و قبول اور ان سے احتجاج و استدلال کے اصولوں میں اختلاف کا وجود صرف اصولیین اور فقہا کے ہاں ہی نہیں ہے، محدثین کے ہاں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں۔ چنانچہ مولانا سرفراز خان صفدر اپنی کتاب ''مقام ابی حنیفہ'' میں ''امام ابوحنیفہ پر مخالفت حدیث کا الزام'' کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

''کہنے کو تو یہ بات بڑی آسان معلوم ہوتی ہے کہ فلاں امام نے حدیث کی مخالفت اور انکار کر دیا ہے اور فلاں نے اپنی رائے اور تفقہ کو ترجیح دے کر حدیث کو رد کر دیا ہے اور حدیث کے خلاف عمل کیا ہے، مگر جب ٹھنڈے دل کے ساتھ اس کی حقیقت کو دیکھا جائے تو کسی مسلّم امام کے خلاف اس کا ثبوت بڑا مشکل نظر آتا ہے کہ انھوں نے بلا کسی

[۱۳۶] ابن تیمیہ، امام، ائمۂ سلف اور اتباع سنت، مترجم: غلام احمد حریری، فیصل آباد، طارق اکیڈمی، ۲۰۰۱ء، ص ۳۲، ۴۹، ۶۸۔

عذر قوی کے حدیث کو ترک کیا ہو۔ مندرجہ ذیل امور پر انصاف سے غور فرمائیں۔

حضرت امیر المومنین فی الحدیث امام بخاریؒ 'حسن' قسم کی حدیث کو قابل استدلال واحتجاج نہیں تصور فرماتے۔ علم حدیث کے ساتھ شغف رکھنے والے اور اصول وطبقات رواۃ سے آگاہ حضرات جانتے ہیں کہ سینکڑوں ہی نہیں بلکہ ہزاروں حدیثیں سند کے لحاظ سے 'حسن' ہیں اور صرف ایک ہزار حسن حدیث تو امام حماد بن سلمہ سے مروی ہے۔ تو کیا ایسی تمام 'حسن' قسم کی حدیثیں کتب حدیث سے چن چن کر ان کی ایک فہرست مرتب کر دینی چاہیے اور معتبر محدثین سے باحوالہ ان کا 'حسن' ہونا نقل کر دینا چاہیے اور پھر کتابوں اور رسالوں اخباروں اور تقریروں میں جماعتی شکل میں مکروہ پروپیگنڈا شروع کر دیا جائے کہ حضرت امام بخاری تو اتنی حدیثوں کے منکر ہیں؟ حاشا وکلا کہ اس سے کوئی منصف مزاج اہل علم متاثر ہو کر حضرت امام بخاری کے خلاف کچھ کہنے پر آمادہ ہو بس یہی کہے گا کہ چونکہ امام بخاری مجتہد تھے۔ انہوں نے اپنی دیانت اور صوابدید سے ایسا کیا ہے۔ اسی طرح اگر حضرت امام ابوحنیفہ نے روایات کے بارے میں کوئی سخت اور کڑی شرط لگائی ہو جس کے فقدان کی صورت میں وہ حدیث کو قابل احتجاج و استدلال نہیں سمجھتے تو وہ کیونکر منکر حدیث اور مخالف حدیث قرار دیے جا سکتے ہیں؟"[137]

علامہ ڈاکٹر طاہر القادری نے اپنی تالیف "امام ابوحنیفہ" میں اس امر کی وضاحت کی ہے کہ اگر امام بخاری نے امام ابوحنیفہ سے حدیث قبول نہیں کی تو اس کا سبب یہ نہیں کہ وہ ان کو غیر ثقہ سمجھتے تھے، بلکہ اس کا سبب امام بخاری کا ایمان کی تعریف پر امام صاحب سے علمی اختلاف تھا۔ لکھتے ہیں:

> "امام بخاری کے نزدیک امام اعظم سے حدیث نہ لینے کا سبب ان کا غیر ثقہ، ضعیف یا قلیل الحدیث ہونا نہیں، بلکہ ایک علمی اختلاف کی وجہ سے تھا جس پر دونوں ائمہ کا موقف اپنی اپنی جگہ پر بے لچک تھا۔
>
> امام اعظم اور امام بخاری کے درمیان علمی اختلاف 'ایمان' کی تعریف پر تھا، امام اعظم تصدیق اور زبانی اقرار کو فی نفسہ ایمان کا نام دیتے ہیں اور اس میں عمل کو شامل نہیں کرتے، جبکہ امام بخاری ایمان کی تعریف میں قول وعمل دونوں کو شامل کرتے تھے۔"[138]

اس تفصیل سے علما کا جو اصولی موقف سامنے آتا ہے، وہ یہ ہے کہ کسی صاحب علم پر حدیث وسنت کے انکار یا استخفاف کا الزام اس وقت قائم ہوتا ہے جب وہ بطور اصول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل اور تقریر وتصویب کو حجت ماننے یا حدیث وسنت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام کے طور پر قبول کرنے سے انکار کرے یا ان کے

۱۳۷؎ صفدر، محمد سرفراز خان، مولانا، مقام ابی حنیفہ، گوجرانوالہ: مکتبہ صفدریہ، ۲۰۱۲ء، ص ۲۱۶۔

۱۳۸؎ طاہر القادری، محمد، ڈاکٹر، امام اعظم ابوحنیفہ، لاہور: منہاج القرآن، ص ۲۸۷۔

بارے میں لاتعلقی یا بے اعتنائی کا رویہ اختیار کرے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

''دراصل آپ لوگ (اہل حدیث) جس غلط فہمی میں مبتلا ہیں وہ یہی ہے کہ آپ سمجھتے ہیں کہ ہم اجتہاد و تفقہ کو حدیث رسول پر ترجیح دیتے ہیں یا دونوں کو ہم پلّہ قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ اصل واقعہ یہ نہیں ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ کوئی روایت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو، اس کی نسبت کا صحیح و معتبر ہونا بجائے خود زیر بحث ہوتا ہے۔ آپ کے نزدیک ہر اس روایت کو حدیث رسول مان لینا ضروری ہے جسے محدثین سند کے اعتبار سے صحیح قرار دیں۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ ضروری نہیں ہے۔ ہم سند کی صحت کو حدیث کے صحیح ہونے کی لازمی دلیل نہیں سمجھتے۔ ہمارے نزدیک اسناد کی صحت حدیث کی صحت معلوم کرنے کا ایک ہی ذریعہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ ان ذرائع میں سے ایک ہے جن سے کسی روایت کے حدیث رسول ہونے کا ظن غالب حاصل ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہم متن پر غور کرنا، قرآن و حدیث کے مجموعی علم سے دین کا جو فہم ہمیں حاصل ہوا ہے، اس کا لحاظ کرنا، اور حدیث کی وہ مخصوص روایت جس معاملہ سے متعلق ہے اس معاملہ میں قوی تر ذرائع سے جو سنت ثابتہ ہمیں معلوم ہو اس پر نظر ڈالنا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ علاوہ بریں اور بھی متعدد پہلو ہیں جن کا لحاظ کیے بغیر ہم کسی حدیث کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کر دینا درست نہیں سمجھتے۔ پس ہمارے اور آپ کے درمیان اختلاف اس امر میں نہیں ہے کہ حدیث رسول اور اجتہاد مجتہد میں مساوات ہے یا نہیں بلکہ اختلاف دراصل اس امر میں ہے کہ روایات کے ردّ و قبول اور ان سے احکام کے استنباط میں ایک محدث کی رائے بلحاظ سند اور ایک مجتہد کی رائے بلحاظ درایت کا مرتبہ مساوی ہے یا نہیں؟ یا یہ کہ دونوں میں سے کس کی رائے زیادہ وزنی ہے؟ اس باب میں اگر کوئی شخص دونوں کو ہم پلّہ قرار دیتا ہے تب بھی کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کرتا اور اگر دونوں میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح دیتا ہے تب بھی کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کرتا۔ لیکن آپ لوگ اس کو گنہگار بنانے کے لیے اس پر خواہ مخواہ یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ وہ حدیث کو حدیث رسول مان لینے کے بعد پھر کسی مجتہد کی رائے کو اس کا ہم پلّہ یا اس پر قابل ترجیح قرار دیتا ہے۔ حالانکہ اس چیز کا تصور بھی کسی مومن کے قلب میں جگہ نہیں پا سکتا۔''[139]

ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی نے بھی اسی بات کی طرف متوجہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''بسا اوقات منکرین حدیث کی فہرست تیار کرنے میں بے جا افراط سے کام لیا جاتا ہے اور بعض ان علمائے اسلام کو بھی اسی زمرہ میں شامل کر دیا جاتا ہے جو احادیث کی حجیت کو تو تسلیم کرتے ہیں، البتہ انہوں نے اپنی تحریروں میں

139۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیمات، لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ج ۱، ص ۳۶۸۔

www.javedahmadghamidi.com

بعض باعتبار سند صحیح احادیث پر کلام کیا ہے اور درایت کی کسوٹی پر رکھ کر انھیں قبول کرنے میں تامل کا اظہار کیا ہے۔ یہ تو ممکن ہے کہ ان کا تجزیہ درست نہ ہو اور وہ احادیث باعتبار روایت اور باعتبار درایت دونوں پہلوؤں سے صحیح ہوں۔ ماہرین علوم الحدیث کو ان علماء کی آراء کا محاکمہ کرنے اور ان کی غلطیوں کو واضح کرنے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔لیکن محض اس بنیاد پر انھیں منکرین و متشککین حدیث کی فہرست میں شامل کرنا درست رویہ نہیں ہے۔

محدثین کرام کے نزدیک یہ اصول مسلم ہے کہ ''ممکن ہے بعض احادیث باعتبار سند صحیح ہوں، لیکن باعتبار درایت صحیح نہ ہوں'' اس اصول کی روشنی میں انھوں نے بعض احادیث کو قبول نہیں کیا ہے اور انھیں موضوع تک قرار دیا ہے۔ دیگر محدثین نے ان کی رائے سے اتفاق نہیں کیا ہے اور ایسی احادیث کی مختلف توجیہیں کی ہیں، لیکن ان پر انکار حدیث کا الزام نہیں لگایا ہے۔ یہاں ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔

صحیح مسلم (کتاب الفضائل) میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ''لوگ ابوسفیانؓ کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے گریز کرتے تھے۔ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی: اے اللہ کے نبی۔ میری تین گزارشات قبول کر لیجیے۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ انھوں نے پہلی گزارش یہ کی: ''میری بیٹی ام حبیبہ عرب کی حسین و جمیل عورتوں میں سے ہے۔ اس سے نکاح کر لیجیے۔ آپؐ نے فرمایا ٹھیک ہے۔.....''

اس حدیث پر اشکال یہ ہے کہ حضرت ابوسفیانؓ نے فتحِ مکہ کے موقع پر ۸ھ میں اسلام قبول کیا تھا۔ جب کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے قبل ہی ۶ھ یا ۷ھ میں حضرت ام حبیبہؓ بنت ابی سفیان سے نکاح کر چکے تھے۔ پھر اس درخواست کے کیا معنی؟ محدثین نے اس حدیث کو صحیح مانتے ہوئے اس کی مختلف توجیہیں کی ہیں، لیکن علامہ ابن حزم نے اسے موضوع کہا ہے اور اسے ایک راوی عکرمہ بن عمار کی گھڑی ہوئی روایت قرار دیا ہے۔ اس کے جواب میں شیخ ابن الصلاحؒ نے عکرمہ کو ثقہ راوی بتایا ہے اور ان کی تضعیف کرنے اور ان کی طرف وضعِ حدیث کی نسبت کرنے کے سلسلے میں ابن حزم پر سخت تنقید کی ہے۔لیکن نہ انھوں نے اور نہ ان کے علاوہ کسی اور محدث نے ابن حزم کا شمار منکرین حدیث میں کیا ہے۔

اس طرح کی اور بھی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ حاصل یہ کہ کسی کو منکر و مشککِ حدیث قرار دینے میں احتیاط سے کام لینا چاہیے اور انکار حدیث کی نسبت صرف ان لوگوں کی طرف کرنا چاہیے جنھوں نے احادیث کی حجیت کو چیلنج کیا ہے اور انھیں من حیث الکل قبول کرنے سے انکار کیا ہے۔''[140]

اس تناظر میں اگر ہم مکتب فراہی کے اہل علم کی اپنی تحریروں کا جائزہ لیں تو اُن سے حدیث وسنت کے انکار، استحقار اور استخفاف کے الزامات کی صریح تردید مفہوم ہوتی ہے اور یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ حدیث وسنت کی حجیت کے

[140] ندوی، رضی الاسلام، ڈاکٹر، علوم الحدیث، مرتب سلفی، رفیق احمد، لاہور: دار الکتب السّلفیہ، ۲۰۱۰ء، ص ۳۲۰۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اسی طرح قائل ہیں، جس طرح پوری امت اس کی قائل ہے۔ وہ حدیث وسنت کی حجیت کے تمام پہلوؤں کو اصولی طور پر بھی تسلیم کرتے ہیں اور عملی لحاظ سے بھی ان کے پابند ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امت کے جملہ مکاتب فکر کے علما نے مکتبِ فراہی سے بعض علمی اختلافات کے باوجود حدیث وسنت کے انکار واستخفاف کے الزام کی تائید نہیں کی۔ اہل علم نے مکتب فراہی کے علما کے حوالے سے یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ انھوں نے چند احادیث کی صحت کا انکار کیا ہے، اس الزام کی تائید نہیں کی کہ مکتب فراہی کے افکار حدیث وسنت کے انکار یا استخفاف پر منتج ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی مولانا فراہی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''چند احادیث پر مولانا فراہیؒ کے تبصرہ کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا کہ مولانا حدیث کو نہیں مانتے، سراسر غلط ہوگا۔ چند احادیث کی صحت سے انکار کرنا اور چیز ہے اور حدیث کو بہ حیثیت سنّت اور بہ حیثیتِ دین اور ماخذ شریعت نہ ماننا دوسری چیز ہے۔ اول الذکر کا دائرہ صرف غلطیوں تک محدود ہے، جب کہ مؤخر الذکر آدمی کو حلقۂ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔''[141]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

جناب الطاف احمد اعظمی بیان کرتے ہیں:

''مولانا فراہی کا دامنِ فکر افراط وتفریط سے پاک تھا۔ انھوں نے نہ تو اہل الرائے کی طرح احادیث سے کلیۃً صرفِ نظر کیا اور نہ اہل روایت کی طرح آنکھ بند کرکے ہر حدیث کے معاملہ میں ''آمنا وصدقنا'' کی روش اختیار کی۔''[142]

مزید لکھتے ہیں:

''کسی خوفِ تردید کے بغیر کہا جا سکتا ہے کہ وہ منکرِ حدیث نہیں تھے البتہ دوسرے علماء محققین کی طرح حدیث کے معاملہ میں محتاط اور معتدل رویہ رکھتے تھے۔ ان کے نزدیک قرآن کی حیثیت اصل اور مرکزی تھی باقی دوسرے علوم فروعی حیثیت رکھتے تھے، علم حدیث بھی اس سے مستثنیٰ نہیں تھا۔ لیکن وہ اپنی عملی زندگی میں جیسا کہ بیان ہوا، سخت متبع سنت تھے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ سنت اور حدیث میں فرق کرتے تھے۔''[143]

معروف اہل حدیث عالم مولانا عبدالرحمٰن کیلانی نے مکتب فراہی کے علما کا احناف کے ساتھ الحاق کرتے ہوئے خبر واحد کے حوالے سے ان کے موقف پر نقد کرنے کے باوجود اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ وہ سنت کی حجیت کے قائل ہیں۔ لکھتے ہیں:

---

[141] ندوی، محمد رضی الاسلام، ڈاکٹر، نقد فراہی، دہلی: مکتبہ اسلام، ۲۰۱۰ء، ص ۱۳۵، ۱۳۸۔

[142] اعظمی، الطاف احمد، حمید الدین فراہی حیات وافکار (مقالات فراہی سیمینار)، اعظم گڑھ، دائرۂ حمیدیہ، ۱۹۹۲ء، ص ۲۲۴۔

[143] اعظمی، الطاف احمد، مولانا حمید الدین فراہی کے بنیادی افکار، دہلی، البلاغ پبلیکیشنز، ۲۰۱۰ء، ص ۱۲۴۔

''مولانا حمید الدین فراہی اور امین احسن اصلاحی یہ دونوں حضرات حنفی ہیں۔ اور حنفی مذہب میں حدیث اور بالخصوص ''خبر واحد'' کے قابل احتجاج ہونے اور اسے عقیدہ کی بنیاد بنانے سے متعلق جو کمزور پہلو موجود ہے۔ وہ ان حضرات میں بھی پایا جاتا ہے تاہم یہ حضرات اصولی طور پر سنت کو حجیت اور شریعت کا حصہ تسلیم کرتے ہیں۔''[144]

اِس تفصیل سے یہ بات پوری طرح متحقق ہو جاتی ہے کہ بعض لوگوں کی جانب سے مدرسۂ فراہی پر حدیث و سنت کی حجیت کے انکار کے الزام کی حقیقت ایک بہتان کی ہے جس کی دین و اخلاق میں کوئی گنجایش نہیں ہے۔ خاتمۂ کلام کے طور پر مناسب ہے کہ یہاں جناب جاوید احمد غامدی کا وہ مضمون پورا نقل کر دیا جائے جو انھوں نے اِس نوعیت کے الزامات کی تردید میں ''حدیث و سنت'' کے زیر عنوان تحریر کیا تھا اور جس کے بعض اقتباسات درج بالا مباحث میں ملاحظہ کیے جا چکے ہیں:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو قرآن دیا ہے۔ اِس کے علاوہ جو چیزیں آپ نے دین کی حیثیت سے دنیا کو دی ہیں، وہ بنیادی طور پر تین ہی ہیں:

۱۔ مستقل بالذات احکام و ہدایات جن کی ابتدا قرآن سے نہیں ہوئی۔

۲۔ مستقل بالذات احکام و ہدایات کی شرح و وضاحت، خواہ وہ قرآن میں ہوں یا قرآن سے باہر۔

۳۔ اِن احکام و ہدایات پر عمل کا نمونہ۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

یہ تینوں چیزیں دین ہیں۔ دین کی حیثیت سے ہر مسلمان اِنھیں ماننے اور اِن پر عمل کرنے کا پابند ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اِن کی نسبت کے بارے میں مطمئن ہو جانے کے بعد کوئی صاحب ایمان اِن سے انحراف کی جسارت نہیں کر سکتا۔ اُس کے لیے زیبا یہی ہے کہ وہ اگر مسلمان کی حیثیت سے جینا اور مرنا چاہتا ہے تو بغیر کسی تردد کے اِن کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔

ہمارے علما اِن تینوں کے لیے ایک ہی لفظ ''سنت'' استعمال کرتے ہیں۔ میں اِسے موزوں نہیں سمجھتا۔ میرے نزدیک پہلی چیز کے لیے ''سنت''، دوسری کے لیے ''تفہیم و تبیین'' اور تیسری کے لیے ''اسوۂ حسنہ'' کی اصطلاح استعمال کرنی چاہیے۔ اِس سے مقصود یہ ہے کہ اصل اور فرع کو ایک ہی عنوان کے تحت اور ایک ہی درجے میں رکھ دینے سے جو خلط مبحث پیدا ہوتا ہے، اُسے دور کر دیا جائے۔

یہ محض اصطلاحات کا اختلاف ہے، ورنہ حقیقت کے لحاظ سے دیکھا جائے تو میرے اور ائمۂ سلف کے موقف میں سر مو کوئی فرق نہیں ہے۔ میرے ناقدین اگر میری کتاب ''میزان'' کا مطالعہ دقت نظر کے ساتھ کرتے تو اِس چیز کو

۱۴۴؎ کیلانی، عبدالرحمٰن، مولانا، آئینۂ پرویزیت، لاہور، ص ۶۵۶۔

سمجھ لیتے اور اُنھیں کوئی غلط فہمی نہ ہوتی۔ یہ توقع اب بھی نہیں ہے۔ دین کے سنجیدہ طالب علم، البتہ مستحق ہیں کہ اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کے لیے یہ چند معروضات اُن کی خدمت میں پیش کر دی جائیں:

اولاً، سنت کے ذریعے سے جو دین ملا ہے، اُس کا ایک بڑا حصہ دین ابراہیمی کی تجدید و اصلاح پر مشتمل ہے۔ تمام محققین یہی مانتے ہیں۔ تاہم اِس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس میں محض جزوی اضافے کیے ہیں۔ ہرگز نہیں، آپ نے اِس میں مستقل بالذات احکام کا اضافہ بھی کیا ہے۔ اِس کی مثالیں کوئی شخص اگر چاہے تو ''میزان'' میں دیکھ لے سکتا ہے۔ یہی معاملہ قرآن کا ہے۔ دین کے جن احکام کی ابتدا اُس سے ہوئی ہے، اُن کی تفصیلات ''میزان'' کے کم و بیش تین سو صفحات میں بیان ہوئی ہیں۔ میں اِن میں سے ایک ایک چیز کو ماننے اور اُس پر عمل کرنے کو ایمان کا تقاضا سمجھتا ہوں، اِس لیے یہ الزام بالکل لغو ہے کہ پہلے سے موجود اور متعارف چیزوں سے ہٹ کر کوئی نیا حکم دینا یا دین میں کسی نئی بات کا اضافہ کرنا میرے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا قرآن مجید کے دائرۂ کار میں شامل ہی نہیں ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ثانیاً، سنت کی تعیین کے ضوابط کیا ہیں؟ اِن کی وضاحت کے لیے میں نے ''میزان'' کے مقدمہ ''اصول و مبادی'' میں ''مبادی تدبر سنت'' کے عنوان سے ایک پورا باب لکھا ہے۔ یہ سات اصول ہیں۔ اِن کی بنیاد پر ہر صاحب علم کسی چیز کے سنت ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ سنن کی ایک فہرست اِنھی اصولوں کے مطابق میں نے مرتب کر دی ہے۔ اِس میں کمی بھی ہو سکتی ہے اور بیشی بھی۔ تحقیق کی غلطی واضح ہو جانے کے بعد میں خود بھی وقتاً فوقتاً اِس میں کمی بیشی کرتا رہا ہوں۔ میں نے کبھی اِس امکان کو رد نہیں کیا ہے۔

ثالثاً، اِس فہرست سے ہٹ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ارشادات بھی دین کی حیثیت سے روایتوں میں نقل ہوئے ہیں، اُن میں سے بعض کو میں نے ''تفہیم و تبیین'' اور بعض کو ''اسوۂ حسنہ'' کے ذیل میں رکھا ہے۔ یہی معاملہ عقائد کی تعبیر کا ہے۔ اِس سلسلہ کی جو چیزیں روایتوں میں آئی ہیں، وہ سب میری کتاب ''میزان'' کے باب ''ایمانیات'' میں دیکھ لی جا سکتی ہیں۔ یہ بھی ''تفہیم و تبیین'' ہے۔ علمی نوعیت کی جو چیزیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے نقل ہوئی ہیں، اُن کے لیے صحیح لفظ میرے نزدیک یہی ہے۔ آپ سے نسبت متحقق ہو تو اس نوعیت کے ہر حکم، ہر فیصلے اور ہر تعبیر کو میں حجت سمجھتا ہوں۔ اِس سے ادنیٰ اختلاف بھی میرے نزدیک ایمان کے منافی ہے۔''[145]

---

[145] غامدی، جاوید احمد، مقامات، لاہور: المورد، ۲۰۱۴ء، ص ۱۵۱۔